ماہنامہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد: ۱۴ شوال ۱۴۱۹ھ فروری ۱۹۹۹ء شمارہ: ۲

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

ہلال اشتراکی

معاون مدیر

انیس احمد فلاحی

☆ سالانہ زرِ تعاون	: ۵۰/ روپے	☆ طلبہ کے لیے	: ۴۰/ روپے
☆ خصوصی زرِ تعاون	: ۱۰۰/ روپے	☆ اعزازی زرِ تعاون	: ۱۰۰۰/ روپے
☆ بیرون ملک سے	: ۲۵/ امریکی ڈالر	☆ قیمت فی شمارہ	: ۵/ روپے

○ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہ نامہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱ ۔۔ فون نمبر ۲۵۱۱۵

کتابت: محمد اشفاق عالم مفتاحی، جامعۃ الفلاح

نقوش حیاتِ نو

		صفحہ
• اداریہ		
فریضۂ تدریس اور اساتذہ کے اوصاف		۳
• درس حدیث		
دیدار الٰہی کے لئے عمل صالح لازمی شرط ہے	ترجمہ سراج فلاحی	۶
• بحث ونظر		
اسلامک فقہ اکیڈمی کے دسویں فقہی سمینار کے فیصلے		۹
• مقالات		
عید الفطر	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۷
فکر فراہی کا امین... امین احسن اصلاحیؒ	ڈاکٹر فیاض حمید	۳۰
• مذاہب عالم		
یہودیت	انیس احمد	۳۷
• تحریکات عالم		
شہود یہوہ	افتخار الحسن مظہری	۴۰
• جامعہ کے لیل ونہار		
خریداری کتب، کوچنگ کلاسز کا آغاز		۴۴
• روداد انجمن		
دہلی یونٹ، قطر یونٹ	محمد ارشد فلاحی، محمد اکرم فلاحی	۴۶

اداریہ

فریضۂ تدریس اور اساتذہ کے اوصاف

فریضۂ تدریس ایک مقدس پیغمبرانہ فریضہ ہے۔ ارشاد باری ہے۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" (سورۃ الجمعۃ: ۲)

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

تعلیم کا مقصد محض معلومات اندوزی نہیں۔ اس کا منتہی ومقصود قلب ودماغ کو بالیدگی بخش کر فرد کی سیرت کو ان بلندیوں سے آشنا کرنا ہے جو ایک ترقی پسند اور صالح سماج کی تشکیل کی ضامن ہیں۔ تعلیم کا یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اساتذہ کرام گیسوئے مستقبل کو سنوارنے میں پیغمبرانہ دل سوزی، لگن، جذبہ اور اصلاح کی شدید تڑپ کا پیکر بن جائیں۔

آج طلبہ کی اکثریت کارگہ شیشہ گراں سے نکلتی ہے تو مانند سبو خالی ہوتی ہے ان کے کردار واطوار میں علم کی سنجیدگی، عالمانہ متانت اور فکر وشعور کا فقدان کھلے طور پر محسوس ہوتا ہے۔ دیکھنے والی نگاہیں تاڑ لیتی ہیں کہ طلبہ نے اپنی محنت اور عمر تو علم کی تحصیل کے شوق میں کھپائی لیکن کسی علم اخلاق کا پرتو ان کو حاصل نہیں ہوا۔ علم کی چاندنی کو ان کی شخصیت میں اتارنے والی کوئی نگاہ ان کو نہیں ملی۔ کسی صاحب دل اور روشن ضمیر کی صحبت ان کو حاصل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ان کے دامان زندگی میں گرد سفر کے سوا کسی منزل کا سواد یا سراغ نہیں ملتا۔

کاش اساتذہ کرام فریضۂ تدریس کو پیغمبرانہ فرائض کے تناظر میں دیکھتے اور تعلیم و تدریس کے دوران پیغمبرانہ اخلاص، دلسوزی، لگن اور تڑپ کا مظہر بن جاتے اور درج ذیل امور کا پاس و لحاظ رکھتے۔

۱۔ اپنے مضمون پر انھیں مکمل درک حاصل ہو اور برابر وہ اس فن میں "ھل من مزید" کے لئے کوشاں رہیں۔ ہمیشہ طلبہ کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے اپنے کو تیار رکھیں اور انھیں جہل و تردد کی وادیوں سے نکال کر نور و ایمان اور علم و معرفت کی وادیوں میں پہونچا دیں۔

۲۔ استاد بلند اخلاق و کردار کا حامل ہو کیونکہ طلبہ پر ان کی سیرت و کردار کا راست اثر پڑتا ہے چنانچہ مثالی کردار کے بغیر دل سے دل کی راہ پوری طور پر منور نہیں ہو سکتی۔

۳۔ استاد اپنے طرز سلوک سے طلبہ کے اندر شورائیت کے مفہوم کو پروان چڑھائے کہ یہ چیز قوموں کی ترقی میں زبردست اہمیت کی حامل ہے لہٰذا کلاس میں وہ طلبہ کی رایوں کا احترام کرے، ان کے اندر اپنے افکار و خیالات کو پیش کرنے کا شوق و جذبہ پیدا کرے اور رائے کے غلط ہونے کی صورت میں نرمی سے اس رائے کی غلطی واضح کرے اور صحیح نتیجہ اور درست رائے تک پہونچنے کے طریقہ کی وضاحت کرے بصورت دیگر امت مفکرین و دانشوروں کی ایک بڑی تعداد سے محروم رہ جائے گی۔

۴۔ استاد فن تدریس کو کلرک کا پیشہ نہ سمجھے بلکہ ہر روز نئے نشاط اور نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ کلاس میں جائے اور یہ تصور ذہن میں رکھے کہ ہر روز اور ہر سبق فی نفسہ نیا ہے لہٰذا اس کی تدریس کا انداز بھی روزانہ مختلف اور جدا ہو۔

۵۔ استاذ کی ایک اہم ترین ذمہ داری معاشرہ میں رائج تہذیب و ثقافت کے اچھے پہلوؤں کی جانب نشان دہی اور خراب پہلوؤں سے اپنے طلبہ کو بچانا بھی ہے۔

۶۔ طلبہ کے اندر احترام قانون اور تکریم فضیلت کی عادت پیدا کرنا بھی استاد

کی ایک اہم ذمہ داری ہے چنانچہ اسے اپنے طلبہ کی خودی اور ضمیر کو بیدار کرنے، معاشرہ کے تئیں ان پر واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کی ادائیگی کا شدید احساس پیدا کرنے کی حتی المقدور جد و جہد کرنی چاہئے۔

احترام قانون اور تکریم فضیلت کی عادت طلبہ میں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ استاد و شاگرد کے درمیان وہ زریں ربط قائم ہو جائے، جو استاد کو شفقت پر مائل اور شاگرد کو ادب و احترام پر مجبور کر دے۔

۷۔ مدرس کو اپنے موضوع میں مہارت کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات و مضامین پر بھی بھرپور تیار ہونا چاہئے (یعنی وہ چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہو (ANA LKING ENCYCLOPAEDIA) تاکہ وہ طلبہ کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کا جواب دے سکے۔ یہ چیز طلبہ کے اساتذہ پر اعتماد کو مضبوط کرے گی اور طلبہ استاد سے کامل استفادہ کر سکیں گے۔

۸۔ استاد کی ایک اہم ذمہ داری (MEDIATOR OF LEARNING) ہے یعنی نصاب میں متعین مضامین کو طلبہ کی ذہنی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے ایسے اسلوب میں پیش کرنا جو طلبہ کے ذہنی معیار کے مطابق ہو۔

۹۔ اساتذہ کرام کی اہم ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ طلبہ کے جسمانی و عقلی نمو کا لحاظ کرتے ہوئے بچپن اور نوعمری میں ہونے والی تبدیلیوں کا تعلیم و تربیت میں لحاظ رکھیں نیز درجہ میں طلبہ کے نزاع و شقاق کو فرو کرنے میں طرفداری و جانبداری کو داخل نہ ہونے دیا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اساتذہ کرام کو گیسوئے مستقبل کو سنوارنے کی توفیق بخشے تاکہ ایک ایسی نسل تیار ہو سکے جو اپنے سماج و معاشرہ کے لئے بیش از بیش مفید و کارآمد ہو سکے۔

درس حدیث

دیدار الٰہی کیلئے عمل صالح اولین شرط ہے

محمد سراج فلاحی

عن ابی موسیٰؓ: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم. قال من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ

ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص اللہ کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے (بخاری)

دنیا کا دستور ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس سے ملاقات کا آرزومند بھی ہوتا ہے اور اس آرزو کی تکمیل کے لئے وہ پوری کوشش بھی کرتا ہے یہ بات کسی طرح تصور میں نہیں آسکتی کہ آدمی کسی سے محبت بھی کرے اور اس سے ملنا بھی نہ چاہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ جسے بھی دل سے چاہتا ہے اس کو ایک نگاہ دیکھنے کے لئے بیقرار رہتا ہے۔ اور صرف ایک نگاہ دیکھ لینے سے ہی اس کی آرزو کی پیاس بجھتی بلکہ اس سے ملاقات کی تڑپ بھی اسے بے چین و بے قرار کئے رہتی ہے۔

اللہ کی محبت ہی ہمارے ایمان کی اساس و بنیاد ہے اور صرف اللہ کی محبت نہیں بلکہ دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت ایمان کا مطلب ہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتا ہے تو لازمی طور پر یہ آرزو بھی اس کے دل میں طوفان اٹھائے گی کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔ اللہ کی ملاقات ہی دراصل ایک مومن کی سب سے بڑی آرزو۔ اس کی زندگی کا حاصل، اس کا سب سے محبوب مقصود اور مراد ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ اللہ سے ملاقات ہی جب مومن کے دل کی اصل مراد ہے اور یہی آرزو اس کے دل کو زندہ رکھتی ہے اور اسی آرزو کی شمع اس کے ظلمت کدہ

بے چراغ کو روشن رکھتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ سے ملنے اور ملاقات کرنے کے سامان تیار نہ کرے آپ خود سوچئے. آپ کسی سے ملنے جائیں گے تو کیا اسکی ناراضی کے اسباب مہیا کر کے اس سے ملنے جائیں گے. نہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ اس کی رضا کے ہر ممکن طریقے پر عمل کریں گے۔ پھر اس سے ملنے جائیں گے۔ اس طرح جب آپ کو اللہ سے محبت ہے اور آپ اللہ سے ملاقات کے آرزومند ہیں تو اللہ سے ملنے کی جو شرطیں ہیں انھیں پورا کئے بغیر کس طرح اس سے مل سکتے ہیں۔

اللہ سے ملاقات کی آرزو کا لازمی تقاضا ہے کہ پہلے اپنی پوری زندگی اس کی رضا کے سانچوں میں ڈھال لی جائے، زندگی کا کوئی عمل اس کی محبت و رضا کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو۔ یہ بات تو انفرادی حیثیت سے ہماری محبت کا لازمی تقاضا ہوگی اور اگر اس حیثیت سے غور کیجئے کہ اس دنیا کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کا مقصد کیا ہے تو پھر یہ بات بھی ایمان و محبت کا لازمی تقاضا بن کر سامنے آتی ہے کہ ہم اس دنیا میں اللہ کے پسندیدہ دین کو غالب کرنے کی انتھک کوشش کریں، تب ہی ہم کو اللہ کی ملاقات اور اس کی رضا و رحمت کا قرب حاصل ہوگا۔ دنیا میں اللہ کی مرضیات پامال کی جاتی رہیں اور ہم اللہ سے محبت کرنے والے اس کی مرضیات کی پامالی کو گوارا کرتے رہیں تو یہ بات اللہ کی ملاقات کا آرزومند ہونے کے بالکل منافی ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی اللہ سے ملنے کی تڑپ بھی دل میں رکھتا ہو اور وہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی اللہ سے ملاقات کی تمنا اپنے دل میں رکھتا ہو اور وہ اللہ کے دین کے غلبہ کیلئے کوشاں نہ ہو کیا یہ بات ممکن ہے کہ اللہ کی ملاقات کا ذوق و شوق رکھنے والا اللہ کے لئے بنائی ہوئی مسجدوں کو منہدم ہوتا دیکھے اور کوئی شورش اس کے دل میں اس کے خلاف نہ پیدا ہو۔

امت مسلمہ کا ہر شخص اللہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے کا آرزومند ہوگا، ہر شخص متمنی ہوگا کہ اس کا دل بھی تجلی گاہ جلوۂ طور بنے، لیکن کیا صرف آرزوؤں اور تمناؤں

سے یہ مرتبہ بلند کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۂ توبہ: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں جب تک جان و مال سب کچھ اس کی راہ میں نہ لگا دیا جائے، اس وقت تک وہ جنت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ جنہیں اللہ سے ملاقات ہوگی اور اللہ کا دیدار ہوگا۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ

اس دن کچھ چہرے تر و تازہ ہونگے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہونگے اللہ کا دیدار سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑی لذت اور سب سے بڑی شادمانی ہے نہ اس سے بڑھ کر کسی نشاط و سرور کی کیفیت ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ کیف و مسرت کا کوئی تصور ہی کیا جا سکتا ہے، اسی لئے یہ سب سے بڑی خوشی انسان کو سب سے آخر میں نصیب ہوگی۔ اور صرف ان ہی لوگوں کو ملے گی جنہوں نے زندگی کے ایام اس کی رضا و رحمت کی طلب میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے گذارے ہونگے۔ اور اس کے دین کے غلبہ اور سربلندی کیلئے پوری زندگی کھپا دی ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی ملاقات کا ذوق و شوق پیدا کرے اور ہمیں آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جنہیں اس کا دیدار نصیب ہوگا۔

اسلامک فقہ اکاڈمی کے دسویں فقہی سیمنار کے فیصلے

فیصلے بابت مسائل اوقاف

اسلامک فقہ اکاڈمی (انڈیا) کا دسواں فقہی سیمنار ہندوستان کے سب سے بڑے شہر عروس البلاد بمبئی میں بمقام حج ہاؤس منعقد ہوا۔ اس سیمنار میں چند دوسرے موضوعات کے ساتھ اوقاف کے چند اہم مسائل پر بھی غور و خوض اور مذاکرہ کیا گیا، اس موقع پر فقہ اکاڈمی کے سوال نامہ کے جواب میں جو مقالات اور تحریریں آئیں اور شرکاء سیمنار کی جو آراء سامنے آئیں ان سب کو پیش نظر رکھ کر دسویں فقہی سیمنار کے شرکاء نے درج ذیل فیصلے کئے۔

۱۔ اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کار ثواب اور صدقہ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی و خیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں۔ ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲۔ اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطہ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں اس لئے عام حالات میں انکو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے لا تباع ولا توھب ولا تورث انه

فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔ لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جس سے اوقاف کی جائداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳۔ دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس و احترام حاصل ہے۔ مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں ہے۔ حتی کہ اگر مسجد ویران ہوجائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے اور اسے مسجد کا تقدس اور احترام حاصل ہوتا ہے۔ وہاں مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان المساجد للہ فلا تدعو امع اللہ احدا" (سورہ جن آیت نمبر ۱۸) "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر"

۴۔ مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا" (سورۃ بقر آیت نمبر ۱۱۸)

کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل عرصے سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا ہو یا عمارت منہدم کردی گئی ہو اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵۔ آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے۔ ارشاد باری ہے۔ "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا" (سورۃ بقر آیت نمبر ۱۱۸)

۶۔ تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یو۔پی کے بعض علاقوں سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں۔ ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیتہً خالی ہوچکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

۷۔ مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کرکے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے۔

الف: اس بات کی تحقیق کرلی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہوچکی ہے اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے۔ اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت، قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر نے اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اسکا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے

والے کے لئے لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کے متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

ہ: وقف کے تبادلے اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی و خدا ترس علماء مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں۔ موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں وقف ٹرائبیونل کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان مکان زمین جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان مکان زمین جائداد خریدی جائیگی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلی وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸۔ الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر کی جائے اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو اس سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے۔ منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹۔ مسجد پر وقف زائد آراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ

آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان آراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا۔

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد آراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب نہیں، دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد آراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰۔ مساجد پر وقف آراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے انکو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی عصری یا تکنیکی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کیلئے دیا جا سکتا ہے۔ لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱۔ جن مساجد کے پاس انکے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال بہت بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی بھی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے۔ مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں۔ مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے

ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کی جائیں۔

۱۲۔ مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ آراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں۔ شرکائے سیمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو انکی ضروریات کیلئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ سیمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران اور آئمہ مؤذنین اور خدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں اور انکی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳۔ دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کیلئے بہت مشکل ہے حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدات میں صرف کیا جائے مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافرخانوں کی زائد آمدنی کو مسافرخانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴۔ اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو تو ایسی صورت میں تجویز ۷ میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کرکے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا۔ اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵۔ جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کرسکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہوجائے گا۔ اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہوجائے۔

۱۶۔ قبرستان کی حفاظت کیلئے اس کے اردگرد چہاردیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے۔ اس لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے۔ دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت وضروریات میں صرف کی جائے لیکن اسکا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷۔ حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور دوسری مفید تجاویز کے لئے سیمینار اسلامک اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کرکے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی نمائندگی کرے۔

فیصلے بابت کلوننگ

اسلام نے علم و تحقیق کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و خرد کے ذریعہ جن باتوں کی تحقیق کرتا ہے وہ ایجاد نہیں انکشاف ہے اور تخلیق میں شرکت نہیں پہلے سے موجود فطرت کے حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔ اسلام نے ہر ایسی تحقیق کی حوصلہ افزائی کی ہے جو انسان کے لئے نافع ہو اور شریعت اسلامی کے مقاصد خمسہ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ عقل، حفظ مال میں معاون ہو اور مضرت رساں نہ ہو، شریعت اسلامی کے انہیں تصورات اور اصولی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے اجلاس منعقدہ ممبئی ۲۴/ تا ۲/ اکتوبر ۱۹۹۷ء نے کلوننگ کے مسئلہ پر غور کیا اور جدہ کی مجمع الفقہ الاسلامی کی اس موضوع پر تجویز کو سامنے رکھ کر اصولی طور پر اس سے اتفاق کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کیں۔

۱۔ کلوننگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات اور صورتیں اب تک سامنے آئی ہیں اور ان کی وجہ سے جن اخلاقی اور سماجی نقصانات کا خطرہ ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقہ پر انسانی کلوننگ حرام ہے۔

۲۔ نباتات اور حیوانات میں ایسی کلوننگ جو انسانی مفاد میں ہو اور جو انسان کے لئے دینی، اخلاقی اور سماجی اعتبار سے مضرت رساں نہ ہو، جائز ہے۔

۳۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کی رو سے ملکی یا غیر ملکی تحقیقاتی ادارے یا تجارتی کمپنیاں ہمارے ملک کو انسانی کلوننگ کی تجربہ گاہ نہ بنائیں۔

عید الفطر

مولانا ابوالکلام آزادؒ

"مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ مضمون عید الفطر کے حوالے سے امت کے زوال اور پستی کا نوحہ ہے جس طرح اس صدی کے آغاز میں ہمارے لئے ایک تازیانہ تھا، اسی طرح آج بھی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس تحریر کے تمام علمی نکات سے اتفاق کیا جائے۔ لیکن بہرحال یہ ابوالکلام کی حدی خوانی کا ایک شاندار نمونہ ہے"

عید آمد و افزود غم را غم دیگر　　ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

دنیا کی ہر قوم کے لئے سال بھر میں دو چار دن ایسے ضرور آتے ہیں جن کو وہ اپنے کسی قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے، اور قوم کے ہر فرد کے لئے ان کا ورود عیش و نشاط کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

مسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی اور غم، مرنا اور جینا، جو کچھ تھا خدا کے لئے تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔
(الانعام ۶: ۱۶۲-۱۶۳)

"کہہ دے کہ میری نماز، میری تمام عبادت، میرا مرنا، میرا جینا، جو کچھ ہے اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں"

اوروں کا جشن و نشاط لذائذ دنیوی کے حصول اور نفسانی خواہشوں کی کامجوئیوں میں تھا، مگر ان کے ارادے مشیتِ الٰہی کے ماتحت، اور خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم تھیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل اس کی یاد سے غافل اور زبان اس کے

۱؎ کامجوئی: مقصد۔

ذکر سے محروم ہو جائے، اور سب سے بڑا جشن یہ تھا کہ سر اس کی اطاعت میں جھکے ہوئے اور زبان اس کی حمد و تقدیس سے لذت یاب ہو:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔

(السجدة ۳۲: ۱۵-۱۶)

"ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ راتوں کو جب سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لیکر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔"

ان کو پیشگاہِ الٰہی سے طاعت و شکر گزاری کے جشن کے لئے دو دن ملے تھے پہلا دن عید الفطر کا تھا۔ یہ اس ماہِ مقدس کے اختتام اور افضالِ الٰہی کے دورِ جدید کے اولین یوم کا جشن تھا جس میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کو مخاطب فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرة ۲: ۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کریم اول اول نازل کیا گیا"

اسی مہینے کے آخری عشرے میں سب سے پہلے انھیں وہ نورِ صداقت اور کتابِ مبین دی گئی، جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں کو دور کیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دنیا کے آگے کھول دی:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ

(المائدہ ۵: ۱۵-۱۶)

"بے شک خدا کی طرف سے تمہارے پاس (قرآن) ایک روشن اور کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب بھیجی گئی۔ اللہ اس کے ذریعے سے اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے"

انسانی ضمیر کی روشنی، جب کہ ظلمت و ضلالت سے چھپ گئی تھی، فطرت کے حسنِ اصلی پر جب انسان نے بداعمالیوں کے پردے ڈال دیئے تھے، قوانینِ الٰہی کا احترام دنیا سے اٹھ گیا تھا، اور طغیان و سرکشی کے سیلاب میں خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰: ۴۱)

"خشکی اور تری دونوں میں انسانوں کے اعمال کی وجہ سے فساد پھیل گیا۔"

اسی وقت یہ پیغامِ صداقت دنیا کے لئے نجات اور ہدایت کی ایک بشارت بن کر آیا۔ اس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی۔ افضال و خاتم الٰہیہ کے فتحِ باب کا مژدہ سنایا، نئی عمارت کو خود نہیں بنائی، مگر پرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا۔ نئی تعلیم کو نہیں لایا، لیکن پرانی تعلیموں میں بقا و دوام کی روح پھونک دی۔ مختصر یہ ہے کہ فطرت اور نوامیسِ فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قائم ہو گئی:

فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

(الروم ۳۰: ۳۰)

"یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں ردوبدل نہیں ہو سکتا، یہی (دینِ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے، مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں سمجھتے۔"

یہی مہینہ تھا جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا، اسی مہینے میں وہ عجیب و غریب رات آئی تھی، جس نے اس انقلابِ عظیم کا ہمیشہ کے لئے ایک اندازہ صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا اور اسی لئے وہ لیلۃ القدر تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ وہ گزشتہ رسولوں کی بادشاہتوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے کیونکہ ان مہینوں کے اندر دنیا کو جو کچھ دیا گیا تھا وہ سب کچھ آج خدا کی نئی نعمتوں اور عطا کردہ فضیلتوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ (القدر ۹۷: ۱-۳)

"قرآن کریم اتارا گیا لیلۃ القدر میں اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے"

یہ بشارات تھیں جس میں ارضِ الٰہی کی روحانی اور جسمانی خلافت کا ورثہ ایک قوم سے لیکر دوسری قوم کو دیا گیا، اور یہ اسی قانونِ الٰہی کے ماتحت ہوا جس کی خبر داؤد علیہ السلام کو دی گئی تھی:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (الانبیا ۲۱: ۱۰۵)

"اور ہم نے زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ بے شک زمین کی خلافت کے ہمارے صالح بندے وارث ہوں گے۔"

اسی قانون کے مطابق دو ہزار برس تک بنی اسرائیل زمین کی وراثت پر قابض رہے اور خدا نے انکی حکومتوں، انکے ملکوں اور ان کے خاندان کو تمام عالم پر فضیلت دی:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (البقرہ ۲: ۴۷)

"اے بنی اسرائیل! ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر انعام کیں، اور نیز، ہم نے تم کو اپنی خلافت دے کر تمام عالم پر فضیلت بخشی!"

یہی مہینہ اور یہی لیلۃ القدر تھی جس میں اسی الٰہی قانون کے مطابق نیابتِ الٰہی کا ورثہ بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسماعیل کو سپرد کیا گیا۔ وہ پیمانِ محبت جو خداوند نے بیابان میں اسحٰق سے باندھا تھا، وہ پیغامِ بشارت جو یعقوب کے گھرانے کو کنعان سے ہجرت کرتے ہوئے سنایا گیا تھا، وہ الٰہی رشتہ جو کوہِ سینا کے دامن میں خدا نے ابراہیم و اسحٰق کے بزرگ موسیٰ کی امت سے جوڑا تھا اور سرزمینِ فراعنہ کی غلامی سے ان کو نجات دلائی تھی۔ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود ان کی طرف سے توڑ دیا گیا تھا۔ داؤد کے بنائے ہوئے ہیکل کا دورِ عظمت ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ وقت آگیا تھا کہ اب اسماعیل کی چنی ہوئی دیواروں پر خدا کا تختِ جلال و کبریائی بچھایا جائے۔ یہ نصب و عزل، عزت و ذلت، قرب و بعد اور ہجر و وصال کی رات تھی؛

جس میں ایک محروم اور دوسرا کامیاب ہوا، ایک کو دائمی ہجر کی سرگشتگی اور دوسرے کو ہمیشہ کے لئے وصل کی کامرانی عطا کی گئی، ایک کا بھرا ہوا دامن خالی ہو گیا، مگر دوسرے کی آستینِ افلاس بھر دی گئی، ایک پر قہر و غضب کا عذاب نازل ہوا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۚ (البقرہ ۲: ۶۱)

"یعنی اسرائیل کو دائمی نامرادیوں کی سزا میں ذلت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا گیا اور اللہ کے بھیجے ہوئے غضب میں آ گئے۔"

لیکن دوسرے کو اس محبت کے خطاب سے سرفراز کیا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (النور ۲۴: ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل اچھے کئے خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جس طرح ان سے پیشتر کی قوموں کو اس نے بخشی تھی۔"

یہ اس لئے ہوا کہ زمین کی وراثت کے لئے عبادی الصالحون کی شرط لگا دی تھی، بنی اسرائیل نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی، اس کی نشانیوں کو جھٹلایا، اس کے احکام سے سرتابی کی، اس کی بخشی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کو اپنے نفسِ ذلیل کی بتلائی ہوئی ادنیٰ چیزوں سے بدل دینا چاہا:

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ (البقرہ ۲: ۶۱)

"خدا کی دی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کے بدلے تم ایسی چیزوں کے طالب ہو جو ان کے مقابلے میں نہایت ادنیٰ ہے۔"

خدا کی تو اس کی زمین کثافت اور گندگی کے لئے نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے بجا نعمتوں کو چن لیتا ہے تاکہ اس کی طہارت کے لئے ذمہ دار ہوں۔ لیکن جب خود ان کا وجود زمین کی طہارت و نظافت کے لئے گندگی ہو جاتا ہے، تو غیرتِ الٰہی اس بارِ آلودگی سے اپنی زمین کو ہلکا کر دیتی ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے عصیان و تمرد سے ارضِ الٰہی کی طہارت کو جب داغ لگا دیا، تو اس کی رحمتِ غیور نے کوہِ سینا کے دامن کی جگہ بو قبیس کی وادی کا اپنا

گھر بنایا اور شام کے مرغزاروں سے روٹھ کر حجاز کے ریگستان سے اپنا رشتہ قائم کیا تاکہ آزمایا جائے کہ یہ نئی قوم اپنے اعمال سے کہاں تک اس منصب کی اہلیت ثابت کرتی ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی
الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ
كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ؟ (یونس ۱۰: ۱۴)

"اور بنی اسرائیل کے بعد پھر ہم نے تم کو زمین کی وراثت دی تاکہ دیکھیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں؟"

پس یہ مہینہ بنی اسرائیل کی عظمت کا اختتام اور مسلمانوں کے اقبال کا آغاز تھا اور اس نئے دورِ اقبال کا پہلا مہینہ شوال سے شروع ہوتا تھا، اس لئے اس کے یومِ ورود کو عید الفطر کا جشنِ ملی قرار دیا تاکہ افضالِ الٰہیہ کے ظہور اور قرآن کریم کے نزول کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے، اور اس احسان و اعزاز کے شکریے میں تمام ملتِ مرحومہ اس کے سامنے سربسجود ہو:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ
اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ
وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ
مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ (الانفال ۸: ۲۶)

"اور اس وقت کو یاد کرو، جب کہ تم نہایت کم تعداد اور کمزور تھے، اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں زبردستی پکڑ کے اٹھا نہ لے جائیں لیکن خدا نے تم کو جگہ دی، اپنی نصرت سے مدد دی، عمدہ رزق تمہارے لئے مہیا کر دیا، اور یہ اس لئے تھا کہ تم شکر ادا کرو۔"

مگر یہ عید الفطر کا جشنِ ملی، یہ ورودِ ذکر و رحمتِ الٰہی کی یادگار، یہ سربلندی و افتخار کی بخشش کا یادآور، یہ یومِ کامرانی و فیروزی و شادمانی اس وقت تک کے لئے عیش و سرور کا دن تھا، جب تک ہمارے سر تاجِ خلافت سے سربلند ہونے کے لئے اور جسم خلعتِ نیابت سے مفتخر[1] ہونے کے لئے تھے۔ عزت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے دوڑتی تھی۔ خدا کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا، اور اللہ کی

ل؎ فخر کرنے والا

بخشی ہوئی خلافت کے تختِ جلال پر متمکن تھے۔ لیکن اب ہمارے اقبال و کامرانی کا تذکرہ صرف صفحاتِ تاریخ کا ایک افسانۂ ماضی رہ گیا ہے۔

دنیا کی اور قومیں ہمارے وسیلۂ عبرت تھیں، لیکن اب خود ہمارے اقبال و ادبار کی حکایت اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے خدا کی دی ہوئی عزت و کامرانی کو ہوائے نفس کی بتلائی ہوئی راہِ ذلت سے بدل لیا، اس کے عطا کیے ہوئے منصبِ خلافت کی قدر نہ پہچانی اور زمین کی وراثت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا۔ اب ہمارے عید کی خوشیوں کے دن گئے عیش و عشرت کا دور ختم ہو گیا۔ ہم نے بہت سی عیدیں تختِ حکومت و سلطنت پر دیکھیں اور ہزاروں شادیانے سریرِ[1] خلافت کے آگے بجوائے ہم پر صدہا عیدیں ایسی گزر دیں جب دنیا کی قومیں ہمارے سامنے سربسجود تھیں، اور عظمت و شوکت کے تخت اٹھے ہوئے ہمارے سامنے تھے۔ اب عید کے عیش و طرب کی صحبتیں ان قوموں کو مبارک ہوں، جن کی عبرت و تنبیہ کے لئے اب تک ہمارا وجود بارِ زمین ہے۔ ان کو خوش نصیب سمجھیے جو اپنے دورِ اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے۔ ہمارا اقبال جا چکا ہے مگر ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں تاکہ اس لئے کہ غیروں کے طعنے سنیں، اور اپنی ذلت و خواری پر آنسو بہا کر قوموں کے لئے وجودِ عبرت ہوں:

در کارگہِ ماست نالۂ دل و دیدہ ہائے او
پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما

اس دن کی یادگار ہمارے لئے جشن و طرب کا پیام تھی، کیونکہ یہی ہمارے صحیفۂ اقبال کا صفحۂ اولین تھا، اور اس تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دورِ جدید قلوب و اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بداعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا، اور اعمالِ حسنہ کے شرف و افتخار نے کیونکر ہمیں برکاتِ الٰہی کا مہبط[2] و مورد بنایا! اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا، تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح خدا کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہو گئی تھی، اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی افقِ عالم

ل؎ تخت (۲) اترنے کی جگہ

پرتو درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی، لیکن:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ (مریم ۱۹: ۵۹)

"پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے خدا کی عبادت کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، پس بہت جلد ان کی گمراہی ان کے آگے آئے گی۔"

اب یہ روز یادگار اگر یادگار ہے، تو عیش و شادمانی کے لئے نہیں، بلکہ حسرت و ماتم کے لئے۔ اگر یادآور واقعات ہے، تو عطا و بخشش کی فیروزمندی کے لئے نہیں، بلکہ ناقدری و کفران نعمت کی مایوسی و حسرت سنجی کے لئے۔ پہلے اس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولت قبولیت سے سرفراز ہوئے۔ مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی اور ذلت و نکوبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اس وقت سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا، اور اب اس دور مسکنت و ذلت کا زخم تازہ کرتا ہے، جو ہماری عزت و کامرانی کا انجام ہے۔ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا، مگر اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا، تو قرآن کریم کے نزول کی یادگار کا، جس نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال ۸: ۲۹)

"مسلمانو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہے اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی، تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔"

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے ظہور کا کہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴)

"اور جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی۔"

پہلے اس کی بشارت کو یاد کر کے جشن مناتے تھے، اور اب وہ وقت ہے کہ اس کی وعید کے نتائج کو گردوپیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لئے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا، البتہ عبرت اور موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (طٰہٰ ۲۰: ۱۱۳)

"ایسا ہی ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں درج کیں، تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے ان کے دلوں میں عبرت اور فکر پیدا ہو۔"

دنیا میں عیش کی گھڑیاں کم میسر آتی ہیں، پھر سال بھر کے تنہا جشن کو کیوں نہ عزیز رکھا جائے؟ میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ عید کی خوشیوں میں سرمست عیش و نشاط ہوں، اور میں افسانۂ غم چھیڑ کر آپ کے لذت عیش کو منغص کر دوں۔ مگر یقین کیجئے کہ اپنے دل اندوہ پرست کی بے قراریوں سے مجبور ہوں۔ قاعدہ ہے کہ ایک غمگین دل کے لئے عیش کی گھڑیوں سے بڑھ کر اور کوئی وقت غم کے حوادث کا یادآور نہیں ہوتا۔ ایک غم زدہ ماں، جو سال بھر کے اندر اپنے کسی فرزند دلبند کو کھو چکی ہو، اگر عید کے دن اس کو اپنی بقیہ اولاد کے چہرے دیکھ کر خوشی ہو گی تو ایک ایک کر کے اس کے گم گشتہ لخت جگر بھی سامنے آ جائیں گے۔ ایک بدبخت جو اپنا تمام مال و متاع غفلت و بے ہوشی میں ضائع کر چکا ہو، عید کے دن جب لوگوں کی زریں قبائیں اور پرجواہر کلاہوں کو دیکھے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی دولت کے سازوساماں یاد نہ آ جائیں۔ دیکھتا ہوں تو یہ جشن کی عیدیں عیش و مسرت کا پیام نہیں، بلکہ یادآور درد و حسرت ہیں۔ آہ! کیا دنیا میں غفلت و سرشاری کی حکومت ہمیشہ سے ایسی ہی ہے؟ کیا دنیا میں ہمیشہ نیند زیادہ اور بیداری کم رہی ہے؟ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایک دن کی خوشیوں میں بے خود ہو کر ہمیشہ کے ماتم و اندوہ کو بھول گئے ہیں؟ بزم جشن کی تیاریاں کس کے لئے، جب کہ دنیا اب ہمارے لئے ایک دائمی ماتم کدہ بن گئی ہے؟ عیش و نشاط کی بزموں کو آگ لگا دیجئے، عید کے قیمتی کپڑوں کو چاک کر ڈالیے، عطر کی شیشیوں کو اپنے بخت زبوں کی طرح اوندھا دیجئے اور اس کی جگہ مٹھیوں میں خاک و گرد بھر بھر کر اپنے سر و سینے پر اڑائیے۔ زریں کلاہوں اور ریشمیں قباؤں کے پہننے کے دن اب گئے:

ما خانہ رمیدگان ظلمیم — پیغام خوشی از دیار ما نیست

لیکن اس طلسم سرائے ہستی کی ساری رونق انسان کی غفلت و سرشاری کا سبب ہے
ممکن ہے کہ جشنِ عید کے ہنگاموں میں غم و اندوہ کی پکاریں آپ کے کانوں تک نہ پہنچیں، لیکن اس کو تو نہ بھولیے کہ پیروانِ اسلام کا حلقہ صرف آپ ہی کے وطن و مقام پر محدود نہیں، وہ ایک عالمگیر برادری ہے جس میں چین کی دیوار سے لے کر افریقہ کے صحرا تک چالیس کروڑ انسان ایک ہی رشتے کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اگر طرابلس میں قتیلانِ ظلم و ستم کی لاشیں تڑپ رہی ہیں تو یہ عیش پرستی ایک لعنت ہے، جو آپ کو عید کی خوشیوں میں سرمست کر رہی ہے۔ اگر ایران میں آپ کے اخوانِ ملت کو جرمِ وطن پرستی میں پھانسیاں دی جا رہی ہیں، تو وہ آنکھیں پھوٹ جائیں جو ہندوستان میں اشکبار نہ ہوں۔ اگر مراکو میں اسلام کا آخری نقشِ حکومت مٹ رہا ہے، تو کیوں نہیں ہندوستان کے عیش کدوں میں آگ لگ جاتی؟ اسلام کی اخوتِ عمومی تمیزِ قوم و مرز و بوم سے پاک ہے اور اس کا ایک ہی خدا اپنے ایک ہی آسمان کے نیچے تمام پیروانِ توحید کو ایک جسمِ واحد کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے۔

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً	"اور دیکھو یہ تمہاری امت دراصل ایک ہی
وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ	امت ہے اور میں سب کا پروردگار ہوں، پس مجھ
(المؤمنون ۲۳: ۵۲)	(سے، اتحاد و یک عملی کے منافی باتوں سے) ڈرو۔"

پس جسمِ اسلام کا ایک عضو درد سے بے قرار ہے، تو تمام جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہونی چاہیے۔ اگر زمین کے کسی حصے میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے تو تعجب ہے اگر آپ کے چہرے پر آنسو بھی نہ بہیں۔ اگر غفلت کی سرمستیوں نے پچھلے حوادث بھلا دیے ہیں تو آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے، آپ کے وقفِ ماتم ہو جانے کے لیے کافی ہے۔

قومی زندگی کی مثال بالکل افراد و اشخاص کی سی ہے۔ بچپنے سے لے کر عہدِ شباب تک کا زمانہ ترقی و نشوونما و عیش و نشاط کا دور ہوتا ہے۔ ہر چیز بڑھتی ہے، اور ہر وقت میں افزائش ہوتی ہے۔ جو دن آتا ہے، طاقت و توانائی کا ایک نیا پیام لاتا ہے، طبیعت جوش و امنگ کے نشے میں ہر وقت مخمور رہتی ہے، اور اس سرخوشی و سرور میں جس طرف نظر اٹھتی

ہے، فرحت و انبساط کا ایک بہشتِ زار سامنے آ جاتا ہے۔ اس طلسم زارِ ہستی میں انسان باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ نشاط کا۔ البتہ ہمارے پاس دو آنکھیں ضرور ہیں جو اگر غمگین ہوں تو کائنات کا ہر ظہور غم آلود ہے، اور اگر مسرور ہوں، تو ہر منظر مرقعِ انبساط ہے۔ عہدِ شباب و جوانی میں آنکھیں سرمست ہوتی ہیں، اور دل جوش و امنگ سے متوالا، غم کے کانٹے بھی تلوے میں چبھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرشِ گل پر سے گزر رہے ہیں۔ خزاں کی افسردگی بھی سامنے آتی ہے، تو نظر آتا ہے کہ عروسِ بہار سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہے۔ دل جب خوش ہو تو ہر شے کیوں نہ خوش نظر آئے؟

لیکن بڑھاپے کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پہلے جو چیزیں بڑھتی تھیں، اب روز بروز گھٹنے لگتی ہیں۔ جن قوتوں میں ہر روز افزائش ہوتی تھی، اب روز بروز اضمحلال ہوتا ہے۔ طاقت جواب دیتی ہے، اور عیش و مسرت کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جو دن آتا ہے، موت و فنا کا ایک نیا پیغام لاتا ہے، اور جو دن گزرتا ہے، حسرت و آرزو کی ایک یاد چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا کے سارے عیش و عشرت کے جلوے دل کی عشرت کامیوں سے تھے، لیکن دل کے بدلنے سے آنکھیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے غم کی تصویر بھی شادمانی کا مرقع نظر آتی تھی، اب خوشی کے شادیانے بھی بجتے ہیں، تو ان میں سے درد و اندوہ کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک قوم پیدا ہوتی ہے، بچپنے کا عہدِ بے فکری کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ وقت کا دورِ زندگی کا اصلی دور اور قومی صحت و تندرستی کا عہدِ نشاط ہوتا ہے۔ جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے، اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے، دنیا اس کے استقبال کے لیے دوڑتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس کو "پیری و صد عیب" کا زمانہ سمجھیے کہ قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں، اور چراغ میں تیل کم ہونا شروع ہو جاتا ہے، طرح طرح کے اخلاقی و مدنی عوارض روز بروز پیدا ہونے لگتے ہیں، جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اجتماعی قوتوں کا

اضمحلال نظامِ ملت کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے۔ وہی زمانہ جو کل تک اس کی جوانی کی طاقت سے آگے دم بخود تھا، آج اس کے بسترِ پیری کے ضعف و نقاہت کو دیکھتا ہے، تو ذلت و حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اسی قانونِ خلقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ
(الروم ۳۰: ۵۴)

"اللہ وہ قادرِ مطلق ہے جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر بچپن کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت دی، پھر طاقت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپے میں ڈال دیا۔ وہ جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، اور وہی تمہاری تمام حالتوں کا علیم اور ہر حال کا ایک اندازہ ٹھہرا دینے والا ہے۔"

شاید ہماری جوانی کا عہد ختم ہو چکا، اب "عہدِ عیب" پیری کی منزل سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا بچپن جس قدر حیرت انگیز اور جوانی کی طاقتیں جس درجہ رشک انگیز تھیں، دیکھتے ہیں تو بڑھاپے کے ضعف و نقاہت کو بھی اتنا ہی تیز پاتے ہیں۔ شاید اس کے بعد اب منزلِ فنا درپیش ہے۔ چراغ تیل سے خالی ہوتا جا رہا ہے اور چولھا خاکستر سے بھرتا جاتا ہے۔ گزشتہ باتوں کی صرف ایک یاد رہ گئی ہے، اور جوانی کے افسانے خواب و خیال معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مٹنا ہی ہے تو مٹنے میں دیر کیوں ہے؟ صبحِ فنا آ گئی ہے تو شمعِ سحر کو بجھ ہی جانا چاہیے۔ جس بزمِ اقبال و عظمت میں اب ہمارے لیے جگہ نہیں رہی، بہتر ہے کہ اوروں کے لیے اسے خالی کر دیں۔ ہم نے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے تک دنیا میں زندگی کے اچھے برے دن کاٹے، اور ہر طرح کی لذتیں چکھیں۔ حکمرانی کے تخت پر بھی رہے اور محکومی کی خاک پر بھی لوٹے۔ علم کی سرپرستی بھی کی اور جہل کی رفاقت میں بھی رہے۔ جب عیش و عشرت کی بزم آرائیوں میں تھے تو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اور اب حسرت و آرزو کے غم کدے میں ہیں تو اس میں بھی ایک شانِ یکتائی رکھتے ہیں۔ زمانہ نے ہمارے مٹانے کا فیصلہ

کر لیا ہے تو اب دیر نہ کرے۔ لیکن گو ہم مٹ جائیں گے مگر ہمارے بٹھائے ہوئے نقشوں کو مٹانا آسان نہ ہوگا۔ تاریخ ہم کو کبھی نہ بھلا سکے گی، اور ہمارا افسانۂ عبرت ہمیشہ مسافرانِ عالم کو یاد آ آ کر خون کے آنسو رلائے گا۔

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے ایک حرفِ غلط ۔۔۔ لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

رات کے پچھلے پہر کی تاریکی اور سناٹے میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میرا قلب مضطر اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ آفتابِ امید کے اشتیاق میں خفتگانِ انتظار کروٹیں بدل رہے ہیں، مگر میری نظر ایک جھلملاتے ہوئے تارے پر ہے۔ دیکھتا ہوں تو یاس و ناامیدی کی رات تاریک ہے، مگر پھر بھی ہماری امید کے افق پر ایک آخری ستارہ جھلملا رہا ہے۔ جن آنکھوں سے ہم نے خشک درختوں کو کٹتے دیکھا ہے، انھیں آنکھوں نے خشک درختوں کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ
(الروم ۳۰: ۲۴)

"اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ وہ تم کو ڈرنے اور امید کرنے کیلئے بجلی دکھلاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک عقل مندوں کیلئے ان باتوں میں قدرتِ الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔"

(بشکریہ اشراق فروری [illegible])

فکر فراہی کا امین...... امین احسن اصلاحیؒ

ڈاکٹر فیاض حمید
علی گڑھ

قرآن و سنت اور اسلامی علوم و معارف سے شغف رکھنے والوں کے لئے مولانا امین احسن اصلاحی (مرحوم) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ ماہر قرآنیات کی حیثیت سے ہند و پاک کے علمی حلقوں میں مولانا مرحوم کا نام بڑے ہی ادب و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور اردو تفاسیر میں ان کی تفسیر "تدبر قرآن" اپنا ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔

مولانا سرزمین شبلی و فراہی (ضلع اعظم گڑھ) کے ایک گاؤں بمہور میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں حاصل کی۔ جس کی بنیاد مولانا محمد شفیع صاحب نے ۱۹۰۹ء میں رکھی تھی اور اس کی تعمیر و ترقی علامہ شبلی و علامہ فراہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس وقت علامہ فراہی مدرسہ پر طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ مولانا اصلاحی نے بھی مولانا فراہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولانا اصلاحی نے علامہ فراہی سے عربی زبان و ادب اور قرآن و حدیث کے رموز و اسرار کے حصول پر خاص توجہ دی اور فراہی نے بھی اپنے اس ہونہار شاگرد پر خاص توجہ دی۔ چنانچہ اس وقت مولانا کے رفقاء درس میں مولانا اختر احسن اصلاحی، مولوی عبدالجلیل، شبلی متکلم اور نجم الدین اصلاحی وغیرہ بھی تھے مگر فکر فراہی کے سب سے بڑے علم بردار بننے والے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی تھے چنانچہ علمی حلقوں میں فکر فراہی کو باقاعدہ فکر کی حیثیت سے پیش کرنے کا جو کارنامہ مولانا اصلاحی نے انجام دیا وہ تمام شاگردان فراہی و حاملین

فکر فراہی مل کر بھی نہ کر سکے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا اصلاحی نے مدرسۃ الاصلاح پر ہی تدریسی فرائض انجام دئے۔ دوران تدریس بھی ان کا خاص مقصد فکر فراہی کی ترویج و اشاعت اور طلبہ کے ذہن کو فکر فراہی کے سانچے میں ڈھالنا تھا چنانچہ اس مقصد کے تحت مولانا نے ۱۹۳۶ء میں مولانا اختر احسن اصلاحی، عزیز الرحمٰن اصلاحی، حافظ عبد الاحد اصلاحی، عبدالغنی انصاری اور ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب وغیرہم کے ساتھ مل کر ایک ادارہ کی بنیاد رکھی اور اس کا نام اپنے استاذ محترم مولانا حمید الدین فراہی کی نسبت سے "دائرہ حمیدیہ" رکھا۔ اس کے مقاصد کی تفصیل مولانا اصلاحی کے الفاظ میں یہ تھی کہ

۱۔ استاذ محترم مولانا حمید الدین فراہی کی عربی تصنیفات اور ان کے اردو تراجم کی اشاعت۔

۲۔ ایک ایسی جماعت کا قیام جو مولانا کے نہج پر قرآن پر تدبر کرے اور اپنے نتائج تحقیق، تصنیفات اور مضامین کی صورت میں شائع کرے۔

۳۔ ایک ماہوار رسالہ کا اجراء جو قرآن مجید سے متعلق بلند پایہ مضامین شائع کرے اور مسلمانوں کی مفید علمی اور مذہبی خدمات انجام دے۔

۴۔ ایک ہفتہ وار اخبار کی اشاعت جو کم سے کم قیمت اور سادہ سے سادہ لفظوں میں قوم کی مذہبی اخلاقی معاشرتی اصلاح کر سکے۔

مولانا اصلاحی نے اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا۔ ان کی مسلسل کوششوں اور جانفشانیوں کے نتیجہ میں "دائرہ حمیدیہ" سرگرم عمل ہوا اور مذکورہ بالا چار مقاصد میں سے آخر الذکر کو چھوڑ کر ابتدائی تین مقاصد بہت حد تک پورے ہوئے۔ چنانچہ اب تک فراہی کی عربی تصنیفات اور ان کے اردو تراجم کی اشاعت "دائرہ حمیدیہ" کے تحت ہی عمل میں آئی ہے اور ان کی عربی تصنیفات کے اردو تراجم مولانا اصلاحی کے مرہون منت ہیں۔

مولانا اصلاحی نے فراہی کی تمام تصنیفات کو جستہ جستہ اردو میں منتقل کر کے اردو داں طبقے کو فکر فراہی سے روشناس کرایا ہے۔

دائرہ کے دوسرے مقصد کے تحت مولانا نے مدرسے پر طلبہ کو اس انداز سے ذہنی و فکری طور پر تیار کیا کہ انہوں نے آگے چل کر مولانا فراہی کے نہج پر تدبر و تحقیق کا کام انجام دیا۔ مولانا اصلاحی کے قابل ذکر شاگردوں میں مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا بدر الدین اصلاحی، عبد اللطیف اعظمی اور ابو اللیث اصلاحی وغیرہم کے نام ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔

اسی طرح مولانا اصلاحی نے جنوری ۱۹۳۶ء میں "الاصلاح" کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجرا کیا جس کے مدیر خود مولانا اصلاحی تھے۔ اس میں مولانا فراہی کے مضامین کے ساتھ ساتھ دیگر اصلاحی و معاشرتی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ مولانا فراہی کی کئی تصانیف قسط وار صورت میں سب سے پہلے اسی ماہنامہ میں شائع ہوئیں۔ اپنے بلند پایہ علمی مضامین اور علمی ادبی معیار کی وجہ سے یہ رسالہ علمی حلقوں میں بہت مقبول تھا مگر افسوس کہ مولانا اصلاحی کے پاکستان جانے کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ شاید اس کے چند شمارے مولانا اختر احسن اصلاحی کی ادارت میں بھی شائع ہوتے تھے۔

فکر فراہی کی ترویج و اشاعت میں سب سے اہم رول مولانا امین احسن اصلاحی کا ہی ہے۔ مولانا فراہی کے افکار و نظریات کو باقاعدہ ایک فکر کی حیثیت سے متعارف کرانے کا سہرا مولانا اصلاحی کے سر جاتا ہے۔

جماعت اسلامی کی تاسیس و ترقی میں بھی مولانا اصلاحی کا نام سر فہرست ہے۔ مولانا اصلاحی نے ۱۹۴۱ء میں مولانا مودودیؒ کے ساتھ لاہور میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور اسلام کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔ تقسیم کے بعد وہ مولانا مودودی کے ساتھ پاکستان چلے گئے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مودودی کی تحریک پر ہی انہوں نے لاہور کی ایک مالدار صاحب جائداد خاتون سے دوسری شادی کر لی اور پھر وہیں کے ہو کر

رہ گئے جب کہ ہندوستان میں ان کی پہلی بیوی اور بچے (ابو صالح و ابو سعد) آبائی وطن میں موجود تھے مگر تا عمران کی خبر نہ لی۔ مولانا نے ایسا کیوں کیا۔ ان کی کیا مجبوریاں تھیں اور ان کا یہ رویہ اسلام اور قرآن کی رو سے درست تھا یا نہیں؟ ...... ان سارے سوالات کو بروقت چھیڑنا مناسب نہیں......

مولانا جماعت اسلامی کے روح رواں تھے۔ تقریباً سترہ سال تک اس جماعت سے وابستہ رہے ۱۹۵۸ء میں مولانا مودودی سے مولانا اصلاحی کے اختلافات ہوئے اور مولانا جماعت سے الگ ہو گئے۔

جماعت سے علیحدگی کے بعد مولانا نے ڈاکٹر اسرار احمد (مولانا کے ساتھ ہی یہ بھی جماعت سے الگ ہو گئے تھے) کے ساتھ "میثاق" نامی رسالہ نکالنا شروع کیا مگر جلد ہی ڈاکٹر اسرار احمد سے بھی ان کے اختلافات ہوئے اور نتیجۃً پھر علیحدگی ہو گئی۔ "میثاق" ڈاکٹر اسرار احمد کی ملکیت میں ہی رہا۔ مولانا اصلاحی نے "الصفا" نامی رسالہ جاری کیا۔ "الصفا" کے بعد مولانا اصلاحی نے "تدبر" نامی ماہنامہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، جو مکمل طور سے فکر فراہی کا ترجمان ہے اور ہنوز جاری ہے۔ اس رسالہ کی اشاعت میں خالد مسعود مولانا کے دست راست تھے اور اب وہی مولانا کے افکار و نظریات کے جانشین و علم بردار ہیں۔

مولانا مودودی سے اختلاف اور جماعت اسلامی سے علیحدگی کے پیچھے قدرت کو مولانا اصلاحی سے "تدبر قرآن" کی صورت میں ایک اہم کام لینا مقصود تھا جو شاید جماعتی ذمہ داریوں کے ساتھ ممکن نہ تھا۔ جماعت سے الگ ہو کر مولانا کو مکمل یکسوئی و دلجمعی حاصل ہوئی اور انھوں نے اپنے استاذ محترم کے ادھورے کام کو مکمل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۵۹ء میں مولانا نے مولانا فراہی کے تفسیری اصولوں پر قرآن کی تفسیر کا کام شروع کیا اور تقریباً ۲۳ سال کی عرق ریزی کے بعد "تدبر قرآن" مکمل پایۂ تکمیل تک پہونچا یا جو نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ مولانا اصلاحی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس نے انھیں زندۂ جاوید

بنا دیا ہے۔

"تدبر قرآن" درحقیقت مولانا فراہی کی قرآنی فکر کی ترجمان ہے جس میں از اول تا آخر مولانا فراہی کے نظریۂ نظم قرآن اور "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اصول پر شدت سے عمل کیا گیا ہے اور الفاظ کی لغوی تحقیق پر خاص توجہ دی گئی ہے اسلاف کی آراء کو غیر ضروری طور پر نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ اس کی انہی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا اصلاحی خود لکھتے ہیں کہ۔

"آیات کی تاویل و توجیہ میں قرآن کی زبان، کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ . . . . . . چنانچہ اس میں اقوال کی کثرت کے بجائے دلائل کی روشنی میں ہر آیت کی متعین تاویل سامنے رکھی گئی ہے" (تدبر قرآن ش)

بحیثیت مجموعی اگر اس کو مولانا فراہی کی تفسیر کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو، اس لئے کہ اس میں مکمل طور سے فراہی کے افکار و نظریات کو بیان کیا گیا ہے درحقیقت مولانا فراہی اسی نہج پر قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے اور چند چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھی تھی مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور ان کا یہ کام ادھورا رہ گیا۔ ان کے شاگرد رشید مولانا اصلاحی نے ان کے اس ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فراہی کے تفسیری اجزاء اور اصلاحی کی "تدبر قرآن" کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ دونوں میں اصول و افکار و طریقۂ تفسیر کی یکسانیت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ مولانا اصلاحی نے خود اعتراف کیا ہے کہ

"اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کے فکر کے ساتھ ملانا بے ادبی خیال کرتا ہوں۔ لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاذ ہی کے سر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ ہی کے طور پر ظہور میں آیا ہے۔ اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بے ادبی ہے تو اللہ اس کو معاف فرمائے" (تدبر قرآن ص ک)

مولانا عربی زبان و ادب خصوصاً جاہلی ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور اس کے بلیغ اشارات و کنایات سے بخوبی واقف تھے۔ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے خطیب بھی تھے۔ قدرت نے ان کی زبان و قلم دونوں میں یکساں فیاضی ثبوت دیا تھا یہی وجہ ہے کہ مولانا کے ترجمہ قرآن میں قرآن کے خطیبانہ انداز بیان کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی اور کلام کی اثر آفرینی بھی موجود ہے۔ اس کی یہی خوبی اسے دیگر تراجم قرآن سے منفرد و ممتاز کرتی ہے۔

مولانا ایک مفسر قرآن کے علاوہ اچھے ادیب و انشاء پرداز بھی تھے ان کی زبان میں علامہ شبلی کا جمالیاتی ذوق، فراہی کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ سادگی و پرکاری بھی موجود ہے۔ اس حیثیت سے اگر "تدبر قرآن" کو دیکھا جائے تو بلاشبہ شہ کار کا بھی انشاء پردازی کا بہترین شاہکار ہے اور اسے ادب عالیہ کی فہرست میں رکھا جا سکتا ہے۔

مولانا نے قرآن کی تفسیر کے علاوہ بے شمار کتب و رسائل تحریر کئے ہیں، انکی تحقیق و تصنیف کا موضوع قرآن و حدیث رہا ہے۔ انھوں نے ہر موضوع پر داد تحقیق دی ہے۔ ان کی تصنیفات آج بھی جماعت اسلامی کے اساسی ادب میں شامل ہیں۔ چنانچہ ان کی کتابیں (۱) تفہیم دین (۲) دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار (۳) اسلامی ریاست (۴) اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل (۵) اسلامی قانون کی تدوین (۶) اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام (۷) قرآن میں پردے کے احکام (۸) فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن کی روشنی میں (۹) مبادی تدبر حدیث (۱۰) تزکیۂ نفس اول و دوم (۱۱) حقیقت شرک (۱۲) حقیقت توحید (۱۳) حقیقت نماز (۱۴) حقیقت تقویٰ (۱۵) حقیقت زکوٰۃ (۱۶) مبادی تدبر حدیث وغیرہ مولانا اصلاحی کے تحقیقی رجحان اور اسلامی فکر کا نمونہ ہیں۔

مولانا اصلاحی نے فکر فراہی کی ترویج و اشاعت، جماعت اسلامی کی تشکیل معاشرے کی اصلاح اور افراد کی ذہنی و فکری تعمیر کے ساتھ تحقیق و تدوین کے میدان میں جو جس بہا خدمات انجام دی ہیں وہ قابل ستائش و لائق تحسین ہیں اور آئندہ نسلوں کیلئے

مشعل راہ۔

یہ مفسر قرآن، مکتب فراہی کا امین بے مثال ادیب و جادو بیان خطیب، سرزمین شبلی و فراہی کا مایۂ ناز سپوت، عظیم مفکر اسلام اور مدرسۃ الاصلاح کا فرزند صد افتخار ۱۴، ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کی درمیانی شب (۱۵ شعبان المعظم کی رات) میں اس دار فانی سے دار ابدی کی طرف کوچ کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لاہور کی شاہی مسجد میں جماعت اسلامی پاکستان کے امیر جناب قاضی حسین احمد نے مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی اور لاہور ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے اکثر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

یہودیت

آٹھویں قسط

انیس احمد فلاحی

یہودیت کے مصادر

۲۔ تلمود۔ تلمود کے معنی یہودی شریعت و آداب کی تعلیم کے ہیں۔ تلمود کے دو حصے ہیں۔

۱۔ متن جس کو مشنا سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے معنی علم و آگہی یا بار بار دہرائی ہوئی شریعت کے ہیں۔

۲۔ شرح اور اسے ''جمارا'' کہتے ہیں جس کے معنی مکمل کرنے کے آتے ہیں۔

تلمود کی تدوین

تلمود حقیقۃً وہ شریعت کی ان تشریحات اور ابحاث سے عبارت ہے جنہیں یہود کے مشہور فرقہ فریسیین کے علماء و احبار راز دارانہ طور پر اپنی قوم کو نسلاً بعد نسل منتقل کرتے رہے لیکن انکے ضیاع اور تلف ہو جانے کے اندیشہ کے پیش نظر پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں ان کی تالیف و تدوین عمل میں آئی اور اس کا نام ''مشنا'' رکھا گیا۔ پھر ''مشنا'' کی شرح کی گئی جس کو ''جمارا'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ''مشنا'' کی شرح کا سلسلہ چھٹی صدی کے اواخر تک فلسطین اور بابل دونوں جگہوں پر جاری رہا۔

یہودی شریعت کی ان شفوی تشریحات اور ابحاث کو ان کی شرح کے ساتھ ''تلمود'' کا نام دیا گیا۔

تلمود کا تقدس

فرقہ فریسیین کے نزدیک تلمود کو عظمت و تقدس کا مقام حاصل ہے کیونکہ اس کی تدوین و تالیف اور تشریح کرنے والے علماء و احبار کا تعلق اسی فرقہ سے تھا جبکہ یہود کے دیگر فرقے اسے درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ فرقہ فریسیین کے افراد کی تعداد ماضی میں بھی کافی زیادہ تھی اور آج بھی زیادہ ہے۔ یہ لوگ تلمود کو منزل من اللہ باور کرتے ہیں اور توریت کی بہ نسبت

اسے زیادہ مقدس تصور کرتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق توریت کی تلاوت بھی یقیناً ایک لائق ثواب نیکی ہے لیکن مشنا کی تلاوت اس سے بڑا ثواب نیکی ہے جس سے انسان اللہ کی نعمت و مغفرت کا حقدار ہو جاتا ہے رہی جمارا کی تلاوت تو یہ نیکی کا سب سے بلند درجہ ہے۔

الغرض تلمود ان کے نزدیک بڑی مقدس کتاب ہے اور یہودیوں کی فتنہ پرور ذہنیت اور شر پسند طبائع میں اسی مقدس کتاب کا عکس یا پرتو تجلی نمایاں نظر آتا ہے۔

تلمود کی انسانیت کش تعلیمات

تلمود کے بیان کے مطابق یہود خدا کی نظر میں محبوب و چہیتی قوم ہے بلکہ ان کی محبوبیت فرشتوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہود میں خدا کا عنصر شامل ہے۔ رہیں دیگر قومیں تو وہ کتوں، گدھوں اور خنزیر کے مانند نجس ہیں۔ ان کے مکانات جانوروں کی باڑ کی طرح نجس و ناپاک ہیں۔

روئے زمین پر جو کچھ ہے یہود کی ملکیت ہے۔ غیر یہود کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ یہود کا غصب شدہ مال ہے لہٰذا یہود پر جملہ وسائل و ذرائع سے اس کا لوٹا لینا واجب ہے۔

تمام ہی محرمات جیسے زنا، سود، قتل، چوری، غصب، دھوکہ دہی اور اذیت رسانی، ان تمام ہی امور کا باہم تعامل یہود کے لئے حرام ہے لیکن غیر اسرائیل کے ساتھ اس کا تعامل جائز ہی نہیں واجب ہے۔

گری پڑی اشیاء اگر غیر یہودی کی ہوں تو اس کو لوٹانا قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے کیونکہ اس سامان کو واپس لوٹانے کا مطلب کفار و مشرکین کی قوت میں اضافہ کرنا ہے۔

غیر یہودی پر لطف و رحم کرنا حرام ہے کیونکہ غیر یہودی نہ صرف یہود کا بلکہ خدا کا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی کنوئیں میں گرا ہوا مل جائے تو اس کو نکالنا

گناہ ہے بلکہ ایسی صورت میں اس پر واجب ہے کہ بڑا سا پتھر اٹھا کے سر پر ڈال دے۔

اسی طرح یہودی ڈاکٹروں کے لئے غیروں کا علاج کرنا حرام ہے حتیٰ کہ اگر کوئی غیر اسرائیلی عورت دردِ زہ کی حالت میں پڑی کراہ رہی ہو تو اس کی مدد کرنا بھی حرام ہے۔

تمام ہی مذاہب کے ماننے والے بت پرست اور مشرک ہیں حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام بھی کفر و شرک کی جانب دعوت دینے والے اور ولد الزنا تھے اس لئے غیر یہودی خواہ مسیحی ہو یا کسی اور مذہب کا متبع، سب کے سب جہنمی ہیں اسی لئے یہود کے یہاں جنت کی وسعت جہنم کے مقابلہ میں لاکھوں گنا چھوٹی بیان کی گئی ہے۔

تلمود کی ان انسانیت سوز تعلیمات کا یہودی نفسیات اور طبائع پر اچھا خاصا اثر پڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود انسانیت، شرافت و فضیلت اور ہر خیر و بھلائی کے دشمن ہیں۔ ان کا مقصد زندگی ہی غیر اسرائیلیوں کے اخلاق و کردار کو خراب کر کے زیادہ سے زیادہ مال و زر جمع کرنا ہے۔ امت مسلمہ اگر اب بھی یہود کی مذکورہ بالا نفسیات سے متنبہ نہ ہوئی اور خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئی اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ کے باغیوں کے ساتھ باغیوں جیسا معاملہ نہ کیا تو پھر عالم عربی اور عالم اسلام کی بھی اخلاقی فساد و بگاڑ اور ذہنی غلامی کے اعتبار سے وہی حالت ہوگی جو امریکہ اور یورپ کی ہوئی۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: الیہودیۃ والیہود، ڈاکٹر علی وافی ص ۲۶-۲۸، الیہودیۃ تالیف احمد شلبی ص ۲۶۵-۲۷۵، التلمود تاریخہ وتعالیمہ تالیف: ظفر الاسلام خاں

شھود یھوہ

افتخار الحسن مظہری

یہ ایک مذہبی سیاسی تنظیم ہے جو عالمی حیثیت اختیار کر چکی ہے اس کے افکار و عقائد تو آشکار ہیں لیکن اس کا تنظیمی ڈھانچہ صیغۂ راز میں رہتا ہے جس کا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں امریکہ میں اس کا ظہور ہوا۔ یہ تنظیم عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی زمام کار تمام تر یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اور یہودی مفادات کی یہ خدمت انجام دیتی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں ابتداءً اس کا نام شھود یھوہ تھا اور اس نام کے ساتھ مشہور ہونے سے پہلے ۱۸۳۳ء میں امریکہ نے اس کو سرکاری طور پر منظوری بھی دے دی تھی، لیکن فی الحال شھود یھوہ کے بجائے اس کا نام "جمعیۃ عالم نو" ہے۔

۱۔ **تاسیس و نمایاں شخصیات:** سنہ ۱۸۷۲ء میں ایک عیسائی راہب تشارلز رسل نے اس کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت یہ راسل مذہب کے نام سے مشہور تھی۔

۲۔ اسکے بعد فرینکلن روز فورڈ اس کا جانشین ہوا اور تنظیم کی صدارت بھی اسی کو حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۷ء میں اس نے اپنی کتاب سقوط بابل تصنیف کی۔ اس کتاب میں اس نے بابل کو ایک رمز کے طور پر استعمال کیا تھا اور اس سے اس کی مراد وہ تمام نظام ہائے زندگی تھے جو دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی انسان کی صلاح و فلاح کے اپنے منصوبوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔

۳۔ اس کے بعد فرانانبر مرکنور (۱۹۰۵ء) کا دور آیا۔ اس کے دور میں اس تنظیم کے اختیارات اتنے وسیع ہو گئے کہ اسے حکمرانوں کی حکمرانی کرنے والا کہا جانے لگا۔

افکار و عقائد: ان کا ایمان ہے کہ یہوہ اللہ ہے اور عیسیٰ مملکت الٰہی کے صدر ہیں۔ عیسائیوں کی کتاب مقدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کی تفسیر اپنی مرضی اور اپنے اغراض و مطالب کے مطابق کرتے ہیں۔ صدر کے بے چوں و چرا اطاعت کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور کتاب مقدس کا نام لیتے ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے اصل دلی مدعا ان کا یہ ہوتا ہے کہ ایک مذہبی سلطنت قائم کر کے ساری دنیا کو اپنا تابع فرمان بنا لیں۔

آخرت اور جہنم کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت اسی دنیا میں اس وقت ظاہر ہوگی جب ساری دنیا پر ان کی سلطنت و حکومت قائم ہو جائے گی اور یہ حکومت اس وقت قائم ہوگی جب عیسیٰ اپنی فوج لیکر ظاہر ہوں گے اور جنگ آزادی کا بگل بجا کر ساری دنیا کے حکمرانوں کو بے دخل کر دیں گے۔

یہ لوگ کتاب مقدس کے ان اجزاء کو بطور خاص طبع کرا کے تقسیم کرتے ہیں جو اسرائیلیوں اور یہودیوں کے لئے از بس محبوب ہیں۔

یہ لوگ انبیاء اخوت کے حقوق کو اپنے لئے مختص سمجھتے ہیں اس لئے دوسروں کے ساتھ تمرد و سرکشی اور ظلم و عدوان کو جائز سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہودیت کے سوا تمام دوسرے مذاہب کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے صرف ان ہی کتابوں کو مقدس تصور کرتے ہیں جن کو یہودی تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد صرف انیس ہے۔

تثلیث کے قائل ہیں۔ ایک یہوہ دوسرے ابن تیسرے روح القدس۔

تنظیم کی کتابیں: برج مراقبہ صیہون کے نام سے تنظیم کا ترجمان ایک رسالہ شائع ہوتا تھا بعد میں صیہونی مقاصد پر پردہ ڈالنے کے لئے لفظ صیہون کو حذف کر دیا گیا ہے اور پرچہ کا

نام برج مراقبہ رکھ دیا گیا ہے۔

"بشارت سلطنت" اس کتاب میں ان کی متوقع بادشاہت و سلطنت کی تفصیلات ہے۔

فکری اساس یوں تو یہ ایک مخصوص و منفرد عیسائی فرقہ ہے لیکن اس کی کلید کار کھلے طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی عقائد کی ہی ترویج و اشاعت کرتے ہیں اور یہود اغراض و مصالح کی خدمت کیلئے ہی جد وجہد بھی کرتے ہیں۔ قدیم یونانی فلاسفہ سے بطور خاص متاثر ہیں۔

اسرائیل سے ان کے گہرے روابط ہیں اور تمام یہودی تنظیموں بالخصوص ماسونیت سے بہت زیادہ گہرا ربط و تعلق رکھتے ہیں۔ ارجنٹی اور یونانی اقتدار سے ان کے تعلقات بہت پائیدار ہیں۔

تنظیم کا دائرہ اثر و نفوذ یہ خفیہ تنظیم دنیا کے تمام ممالک میں پھیل چکی ہے اور روئے زمین پر کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اس کی خطرناک سرگرمیوں سے امان میں ہو۔ اس کا مرکزی دفتر امریکہ کے شہر نیویارک میں ہے، جس کا پتہ یہ ہے۔

124, Columbia Heights, Brooklyns 1

New York (U.S.A.)

جن ملکوں میں اس کی سرگرمیاں پورے طور پر جاری ہیں ان کی تعداد ۱۹۵۹ء میں ۱۸۵ تھی۔ اس وقت اس کے ممبران کی تعداد چھ لاکھ بتیس ہزار نو سو انتیس (۶۳۲۹۲۹) ہے، جبکہ ان کے دعاۃ کی تعداد ۱۸۱۸۰ تھی۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد فی الحال کتنی زیادہ ہو گی اور ان کی سرگرمیاں یہودی مفادات کے لئے کیسی کیسی لالہ بندی کر چکی ہوں گی۔

بعض ممالک نے ان کی خطرناکیوں کے زہر سونگھ لئے اور اپنے ملکوں میں ان کی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دے دیا جیسے سنگاپور، عمان، فلپائن، عراق، چین، ترکی، سوئٹزرلینڈ، رومانیہ، ہالینڈ، لیکن پابندی کے باوجود ان کی سرگرمیاں خفیہ طور سے جاری ہیں۔ افریقہ اور دوسرے اسلامی ممالک میں عیسائی تنظیموں کے تعاون سے ہی شاید یہ لوگ معروف تگ و تاز رہتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً مختلف کتابچے اور اشتہارات شائع کرتے رہتے ہیں اور انکو مفت تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے مخصوص اسکول اور کالج ہیں، مخصوص صحافتی ادارے ہیں اور مخصوص دار الاشاعت ہیں اور ہر ایک کی مخصوص انتظامیہ ہے۔ ترجمہ و تالیف کے ان کے مختلف مراکز ہیں جو کتاب مقدس کی تفسیر و توضیح ان کے مصالح کی روشنی میں کرتے رہتے ہیں، جو مماثل تنظیمیں یہودی کاز کے لئے کوشاں ہیں یہ لوگ بڑے پیمانے پر انکو اپنا تعاون پیش کرتے ہیں۔

یہ تنظیم اپنے ممبران سے سراغرسانی اور جاسوسی وغیرہ کے بھی اکثر کام لیتی ہے۔

اس مضمون کی ترتیب میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ شہود یہوہ: تالیف ڈاکٹر محمد حرب،

۲۔ YEHORA SAHITLERI تالیف: استاذ حکمت تانیو۔

۳۔ TARIH BOYUNCA TURKLER VE YAHUDILER
تالیف استاذ حکمت تانیو۔

موخر الذکر دونوں کتابیں ترکی زبان میں ہیں۔

جامعہ کے لیل ونہار

خریداری کتب

کسی تعلیمی ادارے کی جامعیت ان علمی وثقافتی سرمایوں سے عبارت ہوتی ہے جو مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی شکل میں وہاں موجود ہوتے ہیں تاکہ اساتذہ وطلبہ اپنے علمی سفر کے ہر مرحلہ میں ان سے استفادہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں اسی لیے جامعہ کے ذمہ داروں کی کوشش رہی ہے کہ یہاں کی لائبریری تمام علوم وفنون کے اہم مراجع کا ایسا مجمع البحرین بن جائے کہ کسی موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے شائقین کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ چنانچہ دہلی کے پرگتی میدان میں منعقد ہونے والی کتابوں کی عالمی نمائش کی مناسبت سے اوائل فروری میں ناظم جامعۃ الفلاح جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب استاذ جامعہ انیس احمد فلاحی کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے تاکہ جامعہ کی مرکزی لائبریری کے لیے اہم ترین منتخب کتابوں کی خریداری عمل میں آسکے۔

بحمد للہ پچاس ہزار سے زائد مالیت کی کتابیں خریدی گئیں۔ جامعہ کی تاریخ میں یہ ایک روشن باب کا آغاز ہے اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو دوام بخشے۔

دعائے مغفرت کی درخواست

عبدالرحیم فلاحی (دیچپڑوا، بلرام پور، گونڈہ یوپی) ۱۹ جنوری کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے

اناللہ وانا الیہ راجعون

برادرم نے ۱۹۹۹ء میں جامعۃ الفلاح سے عالمیت کا امتحان پاس کر کے "جامعہ ملیہ اسلامیہ" میں داخلہ لیا مگر کچھ ہی دنوں بعد گھر واپس چلے گئے اور اب یہ خبر جاں کاہ آئی کہ برادرم اس دار فانی سے کوچ کر گئے اللہ تعالیٰ ہم تمام کو اور بطور خاص ان کے والدین کو صبر جمیل عطا فرمائے جواں مرگی کا صدمہ بڑا جاں گسل ہوتا ہے۔ ادارہ حیات نو اور تمام فلاحی

برادران اس غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ تعالیٰ برادر مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

کوچنگ کلاسز کا آغاز

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح دہلی یونٹ اس سال دہلی کی جامعات میں داخلے کے خواہاں فارغین کیلئے کوچنگ پروگرام چلانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ فارغین جامعہ جو دہلی کی جامعات (جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، دہلی یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی) میں داخلے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ داخلہ کے سلسلے میں معلومات کوچنگ سے متعلق معلومات کے لئے درج ذیل پتوں پر خط وکتابت کر سکتے ہیں۔

1- ABUL MUKARIM SB. FALAHI AZHARI
119, A/1 OKHLA
NEW DELHI - 110025
Phone - Resi - 6318853

2- MOHD ARSHAD
DAWAT (SEH ROZA)
D - 314, ABUL FAZAL ENCAVE
Ph No- 6849539 Jamia Nagar NEW DELHI

3- ABDUR RAB ASRI
151, C/9 ZAKIR NAGAR
JAMIA NAGAR, NEW DELHI - 25
Ph 6837831

روداد انجمن

دہلی یونٹ

ماہ فروری کے اوائل میں محترم ناظم جامعۃ الفلاح ڈاکٹر خلیل احمد صاحب اور مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (استاد جامعہ و مدیر حیات نو) جامعہ کی مرکزی لائبریری کے لئے کتابوں کی خریداری کے لئے دہلی تشریف لائے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی دہلی یونٹ نے ۹ فروری ۱۹۹۸ء کی شب ابوالفضل انکلیو میں واقع مدرسہ نشیں کی عمارت میں ناظم جامعہ کے ساتھ ذمہ داران یونٹ مرکزی شوریٰ کے موجود اراکین اور کچھ سینئر فلاحی برادران کی ملاقات کا پروگرام رکھا۔ پروگرام کا آغاز برادر کاشف خالد عمری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعد ازاں محترم صدر دہلی یونٹ مولانا ابوالکلام فلاحی ازہری نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ناظم جامعہ سے ملاقات کے اس موقع کو غنیمت جانا۔ ناظم جامعہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جامعہ سے فارغ ہو کر باہر کی دنیا میں آئے ہیں یہاں آنے کے بعد آپ کو تعلیم کے سلسلہ میں جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے آپ ان سے ہمیں واقف کرائیں تاکہ جامعہ کے تعلیمی ماحول کو مزید بہتر بنانے میں مدد لی جامعہ آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ برادر عبید الرحمن فلاحی نے ناظم جامعۃ الفلاح کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ جامعہ کے نصاب میں جدید عربی زبان کو کما حقہ نمائندگی حاصل نہیں ہے جب کہ اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے انہوں نے کہا کہ عالم عرب سے شائع ہونے والی چھوٹی چھوٹی کتابوں سے اس کمی کو آسانی سے پر کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ موجودہ دور تک کی اسلامی تاریخ سے بھی طلبہ جامعہ کی واقفیت انتہائی ضروری ہے۔

گفتگو کا خاص موضوع جامعہ کا معیار تعلیم تھا اسے بہتر بنانے کے سلسلہ میں مولانا عبدالحق فلاحی صاحب نے مشورہ دیا کہ طلبہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات کی بہتری

ناگزیر ہے ان کے تعلقات کا محور تعلیم ہونا چاہئے جمعیۃ الطلبہ کو مزید فعال بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا اور یہ تجویز بھی آئی کہ طلبہ تنظیموں کی جامعہ کی حدود میں سرگرمیوں کو محدود کیا جائے۔

مولانا اشرف حسین صدیقی صاحب نے معیار تعلیم کے گرنے کا بنیادی سبب قربانی کے جذبے کے فقدان کو قرار دیا ان کا کہنا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ میں ایثار و قربانی اور باہمی خلوص و محبت کے جذبات کو پروان چڑھائے بغیر معیار تعلیم کو بہتر بنانے کی کوئی بھی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ مولانا طارق اکرام اللہ فلاحی نے کہا کہ معیار تعلیم کو بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیمی نصاب ترتیب دیتے وقت حالات اور وسائل کو ملحوظ رکھا جائے اور ان کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں۔ درس میں معیار تعلیم گرنے کا ایک سبب اساتذہ کا غیر تربیت یافتہ ہونا ہے۔ اسی سلسلے میں مولانا عبدالحق فلاحی صاحب نے یہ مشورہ دیا کہ جامعۃ الفلاح تو بغیر ترقی کی ہے اس میں ضروری ہے کہ اساتذہ کی تربیت کے لئے وہاں ایک تربیتی مرکز بھی ہو تاکہ اس ضرورت کو آسانی پورا کیا جا سکے۔ مزید برآں جدید تعلیم یافتہ طبقے کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ماضی میں درسگاہ اسلامی رامپور میں کئے گئے تجربے کو دہرانے کی تجویز بھی سامنے آئی، جو ایک کامیاب تجربہ رہا تھا۔

طلبہ کی اخلاقی تربیت کی جانب بھی ناظم جامعہ کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی گئی۔

ملاقات کے دوران جامعۃ الفلاح میں حالیہ دنوں میں مختلف فیسوں کا جو بے جا اضافہ ہوا ہے اس پر بھی اظہار تشویش کیا گیا اس سلسلہ میں ناظم جامعہ کو مختلف یونیورسٹیوں میں فیسوں کے معیار سے واقفیت بھی بہم پہنچائی گئی انجمن کی دہلی یونٹ کی جانب جامعہ کے منتظمین سے مطالبہ کیا گیا کہ ان اضافوں میں فوری کمی کی جائے تاکہ تعلیم کے حصول کو زیادہ سے زیادہ آسان بنایا جا سکے۔ ناظم جامعہ نے یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کے مطالبے کی بھرپور وکالت کریں گے۔ آخر میں ناظم جامعہ نے کہا کہ باہر پہنچے طلبہ سے ملکر خوشی ہوتی ہے انہوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ فارغین جامعہ کا چلتا پھرتا تعارف بن جائیں۔

آخر میں صدر یونٹ مولانا ابوالکلام فلاحی ازہری نے ناظم جامعہ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ سے دعا کی کہ

ہم فارغین کو مقاصد جامعہ کو پورا کرنے والا بنائے اور ذمہ داران جامعہ کی توقعات پر پورا اترنے میں ہماری مدد فرمائے۔

محمد ارشد
(سکریٹری دہلی یونٹ)

قطر یونٹ

انجمن طلبہ قدیم قطر یونٹ کی ایک نشست ۶، فروری ۱۹۹۶ء کو برادر مکرم محترم جناب مولانا قاری محمد عرفان احمد شمسی فلاحی صاحب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئی نشست کا آغاز برادرم موسیٰ کلیم کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعد ازاں مولانا محترم جناب عبدالحلیم فلاحی صاحب نے بطور تذکیر بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کی اور اس کی تشریح کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز محشر میں کوئی آدمی جنبش (حرکت) نہیں کر سکتا، الا یہ کہ کچھ سوالات کے جوابات اللہ کے حضور نہ دے دے۔ جس میں سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم نے اپنی عمر کہاں گذاری اور خاص طور سے عمر کا وہ لمحہ جس کو جوانی یا شباب سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا سوال یہ ہوگا کہ تمہیں جو علم نوازا تھا (اور علم سے مراد علم دین ہے) اس پر خود کتنا عمل کیا اور دوسروں کو کہاں تک اس علم سے فائدہ پہونچایا۔ تیسرا سوال یہ ہوگا کہ جو وقت تمہیں دیا تھا اس کو کس کام میں لگایا اور چوتھا سوال یہ ہوگا کہ جو تمہیں مال و دولت دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا اللہ کے راستے میں خرچ کیا یا نہیں غریبوں محتاجوں اور ضرورت مندوں تک وہ پہنچایا نہیں اگر ان سب سوالات کے جوابات ہاں میں ہیں تو بہت اچھی بات ہے، اور اگر خدانخواستہ نہیں میں ہیں تو ہم کو اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔ اور اللہ کے انعامات کے مستحق قرار پائیں گے یا نہیں۔

اس نشست میں درج ذیل فلاحی برادران نے شرکت کی۔

مولانا قاری محمد عرفان احمد شمسی فلاحی صاحب، مولانا عبدالحلیم فلاحی صاحب، محمد اکرم فلاحی زین العابدین فلاحی، مظہر الحق فلاحی، جاوید احسن فلاحی، طارق سلیم فلاحی، انوار احمد فلاحی، موسیٰ کلیم فلاحی، عبدالعزیز فلاحی۔

محمد اکرم فلاحی
سکریٹری انجمن طلبہ قدیم "قطر یونٹ"